© rasailojaraid.com

عورت اور اسلام

جناب انوار علی خاں صاحب سوز
جامعہ سوشل انسٹی ٹیوٹ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

عورت اور اسلام کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے علمائے اسلام عام طور یہ بتایا کرتے ہیں کہ اسلام نے کس طرح عورت کے درجہ کو بلند کیا اور اسے اکثر و بیشتر دوائر حیات میں مرد کے مساوی حقوق عطا فرمائے۔

دوسرے قدم پر عموماً ان مصالح کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے پیش نظر اسلام نے بعض حیثیتوں سے عورت کا درجہ مرد سے کم رکھا ہے۔ ضمناً کبھی کبھی یہ بحث بھی آجاتی ہے کہ نفس جنس کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

میں نے اس مقالے میں اس ترتیب کو بالکل الٹ دیا ہے۔ اصلاً یہ مقالہ جنسیات اور اسلام کے موضوع پر ہے اور ضمناً اس میں اسلامی نظامِ زندگی میں عورت کے مرتبہ و مقام پر گفتگو کی گئی ہے۔

مگر اس سے قبل کہ میں اصل موضوع پر کچھ عرض کروں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اسلام کی تعریف کے سلسلہ میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دوں۔ میرے نزدیک اسلام صرف تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک قرآن۔ دوسرے متفق علیہ احادیث اور تیسرے وہ قیاسات و استنباطات جن پر کسی دور میں امت کی اکثریت شعوری طور پر متفق ہو گئی ہو۔ اسی تیسری شق کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصطلاحی زبان میں اجماع کہا جاتا ہے۔

اجماع کی اہمیت میرے نزدیک ایک اعتبار سے سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کی مختلف تعبیرات میں سے بھی میرے نزدیک کسی دور کے لئے صحیح اور قابل عمل تعبیر وہی ہے جس پر "اجماع امت" ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب دین کی تعبیر کے سلسلہ میں کسی فرد کی رائے حتمی اور آخری نہ ہوگی۔ بلکہ امت کا "اجماعی ضمیر" ہی پیغمبر کا حقیقی جانشین ہوگا۔

ہمارے علمائے سلف اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے یہی سبب ہے کہ امام مالکؒ نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ ان کی فقہ کو حکومت کی طاقت سے پورے عالم اسلام پر مسلط کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام بڑے بڑے علماء، فقہا محدثین اور متکلمین اپنی دینی رایوں کو عین منشائے کتاب وسنت سمجھنے کے باوجود اپنی تحریروں کو واللہ اعلم بالصواب پر ختم کرتے ہیں۔ یعنی ہم جو صحیح سمجھتے تھے ہم نے بیان کر دیا اب فی الواقع حق کیا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مجھے اس تمہیدی تشریح کی ضرورت خاص طور پر اس لئے پیش آئی ہے کہ مجھے مسئلہ زن پر بعض ان آراء سے شدید اختلاف ہے جنھیں ہندوستان میں مسلم راسخ العقیدگی (Orthodoxy) کی نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک Muslim Orthodoxy ہر دور اور ہر مقام کے لئے پہلی صدی ہجری کی متعین کردہ بعض رایوں کا نام نہیں ہے جیساکہ عیسائیوں کی نیسیا کی کونسل کی معین کردہ رائیں ہمیشہ کے لئے مسیحی راسخ العقیدگی کا سنگ بنیاد ہیں۔

Muslim Orthodoxy ایک تغیر پذیر اور نمو پذیر حقیقت ہے۔ اس کا مفہوم مختلف ادوار وامکنہ میں مختلف ہو سکتا ہے اور ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو شعوری طور پر امت میں متفقہ حیثیت اختیار کر جائے Muslim Orthodoxy کا ایک جز بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر چہرے کے پردے کو لیجئے۔ قرآن یا حدیث کسی میں بھی عورتوں کے چہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ تاہم پچھلی صدیوں میں امت کے ثقہ ترین علماء نے بعض آیات واحادیث سے استنباط کر کے عورت کو غیر محرم مردوں کے سامنے چہرہ چھپانے کا حکم دیا۔ اور امت نے اس حکم کو صحیح تسلیم کر کے اس پر عمل بھی کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس دور میں عورت کا چہرہ چھپانا ایک اجماعی مسئلہ اور Muslim orthodoxy کا ایک جزو تھا مگر آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔

آج مسلمان مفکرین کی عظیم اکثریت قدیم نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے مسلمان عورت کے لئے کھلے چہرے سے ضرورتاً باہر نکلنے کو جائز سمجھتی ہے بشرطیکہ وہ تبرج جاہلیہ کی مرتکب نہ ہو یعنی بیجا نمائش حسن نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج اگر کوئی مسلمان عورت باہر نکلتے وقت چہرے پر گھونگھٹ یا نقاب نہیں ڈالتی تو اسے راسخ العقیدگی یا orthodoxy سے منحرف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

چنانچہ مصر کی جماعت الاخوان المسلمون جس نے اپنی قربانیوں اور سرفروشیوں سے قرن اول کی یاد تازہ کردی ہے اس کی خواتین عام طور پر چہرہ نہیں ڈھکتیں۔ میں نے جب حمیدہ قطب، اور زینب الغزالی کی وہ تصویریں اخبارات میں دیکھیں جو ان دونوں کو دس دس سال کی قید بامشقت کی سزا کے اعلان کے وقت کھینچی گئی تھیں اور جن میں ان کے سروں پر رومال بندھے ہوئے تھے مگر چہرے کھلے ہوئے تھے تو میں نے سوچا کہ شاید انھیں بے حجابی پر مجبور کیا گیا ہو۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب میں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ایسا جبر کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ اخوانی علماء عام طور پر عورت کے چہرہ چھپانے کو ضروری نہیں سمجھتے۔

کیا ہمارے orthodox علماء میں سے کوئی ہے جو اسلام کی ان سرفروش بیٹیوں پر UNORTHODOX ہونے کا الزام عاید کر سکے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عالم اور غیر عالم کے مسئلہ پر بھی میں اپنی رائے ظاہر کردوں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام پر رائے دینے کا حق صرف علماء کو ہے اور وہی اجتہاد و استنباط کے اہل ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک علماء کسی مخصوص اور جامد طبقہ کا نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے بلکہ ہر وہ مسلمان جس نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور افکار ائمہ وتاریخ اسلام کا غائر مطالعہ کیا ہو عالم کہلانے کا مستحق ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ اس نے یہ مطالعہ دیوبند میں کیا ہے یا بریلی میں۔ ازہر میں کیا ہے یا علیگڑھ میں۔ لندن میں کیا ہے یا پیرس میں۔ اور بلا اس لحاظ کے کہ اس کا نقطۂ نظر مائل بہ جدیدیت ہے یا مائل بہ قدامت۔

یہی نہیں اگر کسی مسلمان نے کسی مدرسہ یا یونیورسٹی کی کبھی صورت نہیں دیکھی بلکہ ذاتی طور پر اسلام کا مطالعہ کیا ہے تو بھی لاریب وہ عالم ہے خواہ اس مطالعہ کے نتیجہ میں اس کا نقطۂ نظر اسلام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کتنا بھی UNORTHODOX کیوں نہ ہو گیا ہو۔ علماء کے مابین نقاطِ نظر کا یہ اختلاف کوئی پریشانی کی بات نہیں بلکہ بقول شارع علیہ السلام رحمت ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر عمل کس رائے پر کیا جائے تو اس کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں یعنی جس رائے پر عمومی اتفاق ہو جائے۔

اس تمہید کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ اصول بیان کر دیئے جائیں جن پر اسلام کی ان تعلیمات کا انحصار ہے جو جنسیات اور عورت کے سماجی مرتبہ سے متعلق ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک غیر ذمہ دارانہ صنفی تعلقات نہ صرف ناپسندیدہ ہیں بلکہ وہ دراصل حیوانات کی خصوصیت ہیں۔ حقیقت میں دینی یا مذہبی زندگی نام ہی ذمہ دارانہ زندگی کا ہے۔ کفر کی اصل ذمہ داری سے فرار ہے اور اسلام کی اصل ذمہ داری کو نبھانے کا عہد اور اس عہد کو پورا کرنے کی سعیٔ مسلسل۔

اسلام اور غیر ذمہ دارانہ زندگی

اسلام کو اس سے انکار نہیں کہ انسان کی جبلی داعیات یعنی INSTINCTS بنیادی طور پر حیوانی داعیات سے مختلف نہیں ہیں۔ اس کا مطالبہ تو صرف یہ ہے کہ ان حیوانی داعیات کو انسانی احساس ذمہ داری کا پابند بنا دیا جائے۔ اسلامی نظام جن اصول و قوانین سے عبارت ہے ان کا منشا صرف یہ ہے کہ ایسے حالات و کوائف پیدا کئے جائیں جن میں ذمہ دارانہ زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی جائے۔ اسلام کا مقصد انسان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیتوں سے حقیقی معنوں میں انسان بنانا ہے اور انسان کا مطلب ایک ذمہ دار اخلاقی وجود کے علاوہ اور کیا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے جب اسلام کے شادی بیاہ کے قوانین پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس کا صاف صاف منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت اور مرد کے صنفی تعلقات کو سختی سے ذمہ داری کے دائرہ میں محدود کر دیا جائے۔ اسلامی اصطلاح میں جس عقد کو نکاح کہا جاتا ہے وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک مرد اور عورت پوری آزادی اور رضامندی سے سماج کے سامنے ایک ساتھ رہنے اور ایک خاندان کی تشکیل کا عہد کرتے ہیں۔ نکاح میں صرف تین شرطیں ہیں عورت کی طرف سے خود سپردگی کی پیشکش۔ مرد کی طرف سے اس کی قبولیت اور سماج کے سامنے۔ جس کا مطلب ہے کم از کم دو آدمیوں کے سامنے اس ایجاب وقبول کا انعقاد و اعلان۔

اسلام کے نزدیک مرد عورت کے ساتھ ساتھ رہنے کا یہ معاہدہ ضرورت پڑنے پر توڑا بھی جا سکتا ہے اور زندگی بھر قائم بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کے انعقاد کی طرح اس کے قیام کا انحصار بھی کلیۃً فریقین کی رضامندی پر ہے۔

اس تشریح کے بعد اس اصول کو سمجھنا آسان ہوگا کہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد کا صحیح صنفی تعلق صرف وہ ہے جو دائرۂ نکاح کے اندر ہو اور ہر وہ تعلق مذموم ہے جو اس دائرہ سے باہر ہو۔ یہی نہیں بلکہ اسلام ہر اس قانون اور طریقے کو غلط سمجھتا ہے جو عورت اور مرد کے غیر ذمہ دارانہ (یعنی دائرۂ نکاح سے باہر) تعلقات کے فروغ کا باعث ہو۔ اسلام نے تعدد ازدواج کی جو مشروط اجازت دی ہے اس کی مصلحت سمجھنا اس وقت تک قطعی ناممکن ہے جب تک کہ مندرجہ بالا اصول کو پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیا جائے۔

اسی اصول سے ملتا جلتا دوسرا اسلامی اصول یہ ہے کہ عورت مرد کے صرف وہ صنفی تعلقات پسندیدہ ہیں جو خاندانی نظام کی تشکیل کا ذریعہ ہوں اور وہ تمام تعلقات مردود ہیں جو خاندانی نظام میں رخنہ اندازی کا سبب ہوں۔ اسلام کے نزدیک ہر وہ شخص جو خاندانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے لازماً شیطان یا شیطان کا ایجنٹ ہے۔ اگر خاندانی نظام کی مضبوطی کے لئے افراد کی آزادی پر بعض ناخوشگوار پابندیاں عاید کرنا ضروری ہو تو اسلام اس سے گریز نہیں کرتا۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد ہر اعتبار سے یکساں نہیں ہے۔ ان دونوں کے ابتدائی خلیوں (CELLS) سے لیکر انتہائی نفسیاتی نظام تک میں فرق پایا جاتا ہے۔ حیاتیاتی نقطۂ نظر سے ان دونوں کے جسم بالکل مختلف اغراض کی تکمیل کے لئے وجود میں آئے ہیں اور ہزار کوشش کے باوصف بھی انھیں بالکل ایک سطح پہ لانا ناممکن ہے۔ لہٰذا صنفی زندگی اور خاندانی نظام کے جو اصول بنائے جائیں ضروری نہیں کہ وہ مرد وعورت کی مکمل مساوات کے آئینہ دار ہوں۔ اخلاقی، معاشی اور معاشرتی اعتبارات سے مرد وعورت کے حقوق وفرائض بلاشبہ یکساں ہیں لیکن صنفی زندگی میں اس طرح کی یکسانیت قطعی ناممکن ہے۔

چوتھا اصول قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک کسی معاشرے کی صنفی زندگی ایسی ہی نارمل اور UNINHIBITED ہونی چاہیئے جیسی اس کی معاشی زندگی۔ ذمہ دارانہ صنفی تعلق یعنی نکاح اور اس کے متعلقات کے بارے میں گفتگو اور تبادلۂ خیال وغیرہ کی اتنی ہی آزادی ہونی چاہیئے جتنی کھانے پینے کے بارے میں۔ اس آخری اصول کی اہمیت اس لئے ہے کہ اس کے بغیر پہلے اصول پر پوری طرح عمل ہونا بظاہر محال ہے۔

مندرجہ بالا اصولوں میں سے اول الذکر اصول سے انکار کم از کم میرے لئے ناقابل تصور ہے۔ مجھے علم نہیں کہ کسی قابل ذکر مصنف نے شادی کی مخالفت ان معنوں میں کی ہو کہ اس کے نزدیک جنسی تعلق میں سرے سے کسی احساس ذمہ داری کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹامس ہارڈی اور برنارڈشا ان اہم ترین ادیبوں میں سے ہیں جنھوں نے شادی کی اصولاً مخالفت کی ہے۔ مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ صنفی تعلق ہر احساس ذمہ داری سے آزاد ہونا چاہیئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات یہ ہے کہ مسیحی یورپ نے شادی کا جو مطلب سمجھا وہ تقریباً حبس دوام کے مترادف تھا۔ اس مفہوم کی رو سے مرد اور عورت نے جب ایک بار رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا قبول کر لیا تو پھر کسی حالت میں وہ اس قید سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ طلاق اور نکاح ثانی چند سال پیشتر تک یورپ میں ناقابل تصور تھے۔ زیادہ سے زیادہ جو ہو سکتا تھا وہ قانونی علیحدگی تھی جس کے بعد نہ عورت کو دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت تھی نہ مرد کو دوسری عورت سے اور یوں دونوں غیر ذمہ دارانہ صنفی تعلق پر گویا مجبور ہوتے تھے۔ لیوٹالسٹائی کی آنا کرینینا ANNA KARENINA میں اس صورت حال کی ایک نہایت تکلیف دہ اور حقیقت پسندانہ تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ معاشی اعتبار سے بھی عورت کو مرد کا تتمہ بنا دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے نہ عورت کو اپنے طور پر قرض مل سکتا تھا اور نہ وہ اپنی قابل جرمانہ قانونی غلطیوں کا مالی بوجھ خود اٹھانے پر مجبور تھی۔ اگر کسی غیر ذمہ دار بیوی کی غیر ذمہ دارانہ تقریر یا تحریر کی وجہ سے اس کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر کیا جاتا تو جرمانہ بیوی کے بجائے بے قصور شوہر کو ادا کرنا پڑتا تھا۔

یہ اور اسی قسم کے دوسرے احمقانہ تصورات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوچنے والے دماغوں نے ان پر مبنی شادی کی رسم کے خلاف بغاوت شروع کر دی مگر رضائے باہم یا ایجاب وقبول سے وہ بھی انکار نہ کر سکے۔ اسلام سے ان کا اختلاف صرف اعلان کے مسئلہ پر ممکن تھا۔ اسلام کے نزدیک چوری چھپے کا ایجاب وقبول ذمہ دارانہ صنفی تعلق کی بنیاد نہیں بن سکتا اس کے نزدیک اس کا کھلم کھلا اور بالاعلان ہونا ضروری ہے تاکہ اس تعلق کے نتیجہ میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے کوئی فریق بھی ـــ خصوصاً مرد ـــ فرار کی راہ نہ پا سکے۔

چوری چھپے ایجاب وقبول کا صریح مطلب یہ ہے کہ ہر دو فریق یا دونوں میں سے کوئی ایک صنفی تعلق کے معاشرتی تقاضوں سے بچنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد صرف حیوانی لذت اندوزی کے سوا اور کچھ نہیں ورنہ آخر اس ایک ایسے معاہدے کے اعلان سے کیا شے مانع ہو سکتی ہے جسے وہ اپنی رضا سے کر رہا ہے اور جس سے وہ جب چاہے آزاد بھی ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برنارڈ شا کے ڈرامے Getting Married مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں شادی کے مسئلہ پر جو تفصیلی بحث کی گئی ہے اس کا ماحصل بھی صرف یہی نکلتا ہے کہ شادی کے ادارے کو اگر باقی رہنا ہے تو اسے کلیۃً ایک معاشرتی معاہدے کی شکل اختیار کرنی ہوگی جس میں فریقین اپنے حسب منشا شرائط رکھوا سکیں نیز جب چاہیں خود کو اس معاہدے سے آزاد بھی کر سکیں۔ یہ نتیجہ اسلام کے تصور شادی سے اس درجہ ہم آہنگ تھا کہ ڈرامہ کا ہیرو HOTCHKISS بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ موجودہ صدی کے ختم ہونے سے پہلے پوری برٹش ایمپائر ایک اصلاح یافتہ محمڈنزم کو قبول کر لے گی۔ محمدؐ کا کردار میرے مزاج سے ہم آہنگ ہے۔"

اسی ڈرامہ کے دیباچہ میں برنارڈ شا نے کھلم کھلا تعدد ازدواج کی بھی حمایت کی ہے اور اس کی بنیاد وہی ہے جسے عام طور پر مسلمان بطور دلیل پیش کرتے ہیں یعنی بعض حالات میں مردوں کی تعداد کا یکایک بہت کم ہو جانا۔ برنارڈ شا اس حقیقت کو کیسے نظرانداز کر سکتا تھا کہ جنگوں میں بڑی تعداد میں مرنے والے نوجوان مرد ہوتے ہیں نہ کہ نوجوان عورتیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب شادی کا مطلب عورت اور مرد کے مابین محض ایک آزادانہ معاہدہ ہے جس پر سماج کی گواہی ثبت ہوتی ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اگر ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں خوشی سے اس قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہوں تو انھیں ایسا کرنے سے قانوناً روک دیا جائے۔ ہاں یہ بات یقیناً ظلم ہوگی کہ دو عورتوں کو ان کی مرضی کے خلاف زبردستی ایک مرد کی بیوی بن کر رہنے پر مجبور کیا جائے۔ مرد اگر ایک عورت سے عقد نکاح کے باوجود دوسری عورت سے معاہدۂ نکاح کرتا ہے تو یقیناً پہلی بیوی کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنے لئے معاہدۂ نکاح سے آزادی (یعنی خلع) کا مطالبہ کرے۔

اسلام میں اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ عورت اگر کسی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی سے قاصر ہو تو وہ اس سے علیحدگی کا مطالبہ کرے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابیہ نے اپنے شوہر سے صرف اس لئے خلع حاصل کر لیا کہ اس کی صورت انھیں پسند نہ آئی ظاہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے خلع کے لئے سوت کی موجودگی شوہر کی بدصورتی سے کم نہیں زیادہ ہی بڑا عذر ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ جب تم دو عورتوں کو آزادانہ معاہدے کے تحت ایک مرد کے ساتھ رہنے کی اجازت دیتے ہو تو دو مردوں کو ایک عورت کے ساتھ ایسے ہی صنفی معاہدے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں مذکورہ بالا بنیادی اصولوں میں سے دوسرے اصول کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے ہر صنفی تعلق کو نہ صرف ذمہ دارانہ ہونا چاہیئے بلکہ اُسے ایک خاندانی نظام کا سنگِ بنیاد بھی بننا چاہیئے۔ اس کی نگاہ میں ہر وہ صنفی معاہدہ جس کا مقصد ایک خاندان کی تشکیل نہ ہو فی الواقع ایک غیر ذمہ دارانہ معاہدہ ہے۔ کیونکہ صنفی تعلق کے نتیجہ میں عاید ہونے والی سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری خاندان کی نگہداشت کے سوا اور کیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس طرح ایک مرد دو عورتوں سے عقدِ نکاح باندھ کر دو خاندانوں کی تشکیل کر سکتا ہے اس طرح ایک عورت دو مردوں سے صنفی معاہدہ کر کے دو خاندانوں کی تشکیل نہیں کر سکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ چند شوہری یعنی Polyandry کے نتیجہ میں وجود میں آنے والا ایک خاندان بھی حقیقی معنوں میں خاندان نہ ہوگا۔

خاندان کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ سماج کا ہر یونٹ ایک متعین باپ، ایک متعین ماں اور ان دونوں کی متعین اولاد پر مشتمل ہو۔ چند شوہری یعنی POLYANDROUS نظام میں ماں تو بلا شبہ متعین ہوتی ہے ـــــ کیونکہ ولادت کی کوئی ایسی شکل سرے سے ممکن ہی نہیں ہے جس میں ماں متعین نہ ہو ـــــ مگر باپ کا تعین اس نظام میں قطعی ناممکن ہے۔

اس صورت میں جو بچہ چند شوہری خاندان میں پرورش پائے گا اُسے ایک متعین ماں کی محبت تو ضرور حاصل ہوگی مگر ایک متعین باپ کے سایۂ عاطفت سے وہ قطعی محروم رہے گا۔ اس طرح گویا چند شوہری خاندان میں پرورش پانے والے بچے کی حالت وہی ہوگی جو عصمت فروش ماؤں کی اولاد کی ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہر عورت فطرتاً کسی ایک مرد ہی کی ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ جس طرح ایسے متعدد مرد مل سکتے ہیں جو بغیر کسی مجبوری کے صرف اپنے چند زوجگی داعیات کی وجہ سے دو دو تین تین عورتوں سے صنفی تعلق رکھتے ہیں (POLYGAMOUS) اور ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنے کے لئے خوشی خوشی تیار نہیں ہوتے۔ اس طرح ایسی عورتوں کو ڈھونڈ نکالنا تقریباً محال ہے جو خوشی خوشی بہت سے مردوں سے صنفی تعلق رکھتی ہوں اور ان میں کسی کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ کارل مارکس کا قول ہے کہ ہر مرد فطرتاً POLYGAMOUS ہوتا ہے۔ ہر عورت کے متعلق ایسی بات کسی قابل ذکر مصنف نے نہیں کہی۔

جو لوگ سرے سے خاندانی نظام کی ضرورت ہی کے منکر ہوں ان کے لئے مندرجہ بالا دلائل یقیناً بے معنی ہیں۔ مگر ایسے لوگ اس وقت سرے سے میرے مخاطب نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی تعداد بے انتہا کم ہے۔ رہی اشتراکیت تو وہ اصولاً خاندان کی اہمیت سے انکار کے باوجود عملاً ہر جگہ اس کی پرزور حامی ہے۔

اشتراکی انقلاب کے فوراً بعد کچھ دنوں کے لئے روس میں بالکل مادر پدر آزاد صنفی زندگی کا جو تجربہ کیا گیا تھا وہ اس بری طرح ناکام ہوا کہ اس کے بعد آج تک کسی اشتراکی مفکر نے اس کا نام نہیں لیا۔ خود LENIN جس نے پانی کے گلاس والے نقطۂ نظر THEORY OF GLASS OF WATER کی ابتداءً حمایت کی تھی۔ آخر میں اس نظریہ کا انتہائی مخالف بن گیا۔

مگر جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں اسلام کو اس بات سے انکار نہیں ہے کہ انسان کے صنفی داعیات یعنی ITSTINCTS بنیادی طور پر حیوانی داعیات ہی سے مشابہ ہیں۔ صنفی لذت اندوزی کی طرف ہر انسان کے اندر ایک پیدائشی میلان پایا جاتا ہے اور یہ میلان تقاضا کرتا ہے کہ اس کے راستہ سے ساری رکاوٹیں ختم کر دی جائیں۔ مگر یہ میلان مردوں میں عورتوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قوی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک عبقری یعنی GENIUS کو اپنی پوری ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے صنفی لذت اندوزی کی ضرورت دوسرے مردوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقابلہ کئی گنا زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

اسلام نے جنسی تصورات جن اصولوں پر مبنی ہیں ان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس صورت حال کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ چنانچہ شادی کے معاملہ کو حکومت کی مداخلت سے آزاد اور پوری طرح باہمی رضامندی پر چھوڑ کر اسلام نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ مجھے ایک سیاسی لیڈر کے بارے میں ذاتی طور پر علم ہے کہ اس کے بیک وقت چار عورتوں سے ناجائز تعلقات تھے جس کا ان چاروں کو پوری طرح علم تھا اور وہ ان چاروں پر ہزاروں روپیہ ماہوار خرچ کرتا تھا کیونکہ ان کے مجموعی قرب سے جو ذہنی سکون اسے حاصل ہوتا تھا وہ اس کی کامیاب سیاست کی شرط لازم تھا اسلام اس کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس سے صرف اتنا مطالبہ کرتا کہ وہ ان چاروں عورتوں سے باقاعدہ عقد نکاح کرلے۔

اسی طرح ایک دوسرے کامیاب سیاسی لیڈر کے بارے میں مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس کے لئے ہر چند دن کے بعد ایک نئی عورت سے قرب ضروری تھا۔ اس قسم کے لوگوں کے سامنے وعظ و پند کا دفتر کھولنا تقریباً بے معنی ہے۔ یہ لوگ عموماً زیادہ سے زیادہ جو شرافت برت سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے صنفی معاملات کو زیادہ سے زیادہ صیغۂ راز میں رکھیں۔ مگر یہ شرافت عام طور پر کھلے عام شرارت سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

اسلام کیونکہ سارے انسانوں کے لئے دین فطرت ہے اس لئے وہ اس قسم کے لوگوں کی کمزوریوں کا بھی لحاظ کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ ان سے صرف یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں ایک آزاد اور اعلانیہ صنفی معاہدے کے ماتحت کریں۔ خواہ وہ معاہدہ ہر دوسرے دن ٹوٹ جائے۔ اسلام کے نزدیک جو مرد پانچ سال میں پچاس عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرتا ہے اور ان سب کو باری باری سے طلاق دیدیتا ہے اس کا اس مرد سے کوئی اخلاقی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا جو پانچ سال میں صرف پانچ عورتوں سے چوری چھپے صنفی تعلق رکھتا ہے۔ پہلا شخص اسلام کی نگاہ میں شریف ہے اور دوسرا ذلیل۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے شخص کے پچاس نکاحوں کے نتیجہ میں جو پچاس بچے ہوں گے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب اپنے باپ کی شفقت کے مستحق ہی نہیں عملاً حصہ دار ہوں گے اور ان کی نفسیات اتنی ہی نارمل ہوگی جتنی ایک ہی بیوی سے پیدا ہونے والے پچاس بچوں کی نفسیات۔ مگر ثانی الذکر شخص کے تمام بچے ایک غلط قسم کی نفسیات لے کر پروان چڑھیں گے۔

اسلام نے "ذواقیت" یعنی مختلف عورتوں یا مردوں میں صرف ذائقہ بدلنے کے لئے صنفی اتصال کو ملعون اس لئے بتایا ہے کہ اس سے خاندانی نظام کمزور پڑتا ہے مگر اسے بعض حدود کے اندر برداشت بھی کیا ہے کیونکہ بعض اشخاص کے لئے اس پر قابو پانا قطعی محال ہوتا ہے۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ وہ جن دریاؤں پر بند نہیں باندھ سکتا ان کا رخ کم خطرناک راہوں کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اسلام میں ان لوگوں کے مسئلہ کا بھی حل ہے جن کے لئے ذواقی یا عیاشی ضرورت حیات بن چکی ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس قماش کی عورتوں کے مسئلہ کا کیا حل ہے تو اس کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں یعنی اول تو ان کی تعداد ہی بے حد کم ہے۔ دوسرے جو معدودے چند عورتیں اس انداز کی پائی جاتی ہیں وہ فی الواقع نفسیاتی مریض ہوتی ہیں۔ اگر انھیں ان کی صنفی ضروریات کے مطابق شوہر مل جائے تو وہ ٹھیک ہو جاتی ہیں اور اگر نفسیاتی علاج سے کام لیا جا سکے تو ان کا مسئلہ اور بھی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

اب تک میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ اسلام نہ صرف ذمہ دارانہ صنفی زندگی اور خاندانی نظام کی ناگزیریت کا علمبردار ہے بلکہ اُسے عورت اور مرد کی مکمل مساوات کے نظریے سے بھی انکار ہے۔ چند زوجگی کی اجازت اور چند شوہری کی مخالفت اس انکار کا سب سے نمایاں مظہر ہے۔

اسی وجہ سے اسلامی نظام میں عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے مگر عورت پر اپنے شوہر کے نان نفقہ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ ایک مالدار عورت اپنے غریب شوہر کی دولت سے بقدرِ ضرورت اس کی اجازت کے بغیر استفادہ کر سکتی ہے مگر غریب شوہر اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالدار بیوی کی دولت سے اس کی اجازت کے بغیر ایک حبہ بھی نہیں لے سکتا۔ یہی نہیں بچوں کی پرورش کے اخراجات کا پورا بار بھی صرف مرد کے کاندھوں پر ڈالدیا گیا ہے۔ عورت اگر چاہے تو اپنی دولت بچوں پر خرچ کرسکتی ہے اور اگر نہ چاہے تو اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بچوں کا سارا خرچ شوہر سے وصول کر کے اپنی دولت کو محفوظ رکھے۔ انتہا یہ ہے کہ اگر بیوی چاہے تو شوہر سے بچے کو دودھ پلانے کی اُجرت بھی وصول کرسکتی ہے۔

اور یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ عورت کا حق ملکیت بالکل جداگانہ، محفوظ اور مرد کے مساوی ہے۔ یعنی معاشی اعتبار سے عورت اور مرد بالکل برابر ہونے کے باوجود عائلی معاملات میں برابر نہیں۔ بلکہ بعض معاملات میں عورت کا پلڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور بعض میں مرد کا۔

میرا خیال ہے اصولاً اس عدم مساوات سے کوئی ذی ہوش انکار نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی جدید قوانین میں بھی نان نفقہ کی ذمہ داری صرف مرد پر ڈالی گئی ہے۔ خود ہندوستان کے عام قانون میں بھی یہی بات موجود ہے۔ اسی طرح ملازمت سے رخصت کے قوانین بھی مردوں اور عورتوں کے لئے کہیں یکساں نہیں ہوتے۔ عورتوں کے لئے جس MATER NITY LEAVE کا تقریباً ہر قانون میں اہتمام رکھا جاتا ہے اس کا اطلاق مردوں پر کہیں بھی نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے۔

ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ جس دن شکم مادر میں جنین یعنی EMBRYO ایک واضح شکل اختیار کرتا ہے اسی دن سے اس کی نشوونما متعینہ صنفی خطوط پر ہونے لگتی ہے۔ اس وقت سے لے کر موت تک عورت اور مرد کے جسمانی نظاموں میں نمایاں فرق دیکھا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ماہرین نفسیات بتاتے ہیں کہ بھائی اور بہن۔ بیٹی اور بیٹے کی نفسیات میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اور بحیثیت مجموعی بھی عورت کی نفسیات وہ نہیں ہوتیں جو مرد کی ہوتی ہیں۔ فرائڈ کا قول ہے کہ جس نفسیات کے ماتحت باپ اپنی بیٹی سے اور بھائی اپنی بہن سے محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے وہ اس نفسیات سے بالکل مختلف ہوتی جس باپ بیٹے سے یا بھائی بھائی سے لگاؤ محسوس کرتا ہے۔ عورت اور مرد کے شدید نفسیاتی فرق کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس اصولی عدم مساوات کو بطور حقیقت تسلیم کرنے کی وجہ سے اسلام کے احکام مرد و عورت کے حقوق و فرائض کے سلسلہ میں اکثر مختلف ہو گئے ہیں۔ چند زوجگی کی اجازت اور چند شوہری کی مخالفت کا بنیادی سبب یہی نفسیاتی تضاد اور تخالف ہے۔

اسی عدم مساوات کے پیش نظر اسلام نے باپ کی جائداد میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا رکھا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ لڑکی کے نان نفقہ کا ذمہ دار اس کا شوہر ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف آدھا حصہ باپ کی جائداد سے لیتی ہے بلکہ کم و بیش بقدر نصف اپنے شوہر کی دولت میں بھی حصہ دار ہوتی ہے۔

ہندوستان میں جب اس اصول سے صرف نظر کرکے یورپ کی اندھی تقلید کے جذبہ کے ماتحت لڑکی اور لڑکے کا حصہ برابر کر دیا گیا تو ہندو سماج میں عجیب عجیب الجھنیں پیدا ہونے لگیں اور ہندو مفکرین جگہ جگہ یہ سوچنے پر مجبور ہونے لگے کہ لڑکی کی وراثت کے قانون کو دوبارہ منسوخ کرا دیا جائے۔ کاش وہ بیجا تعصبات سے دامن چھڑا کر اسلام کے حکیمانہ قانونِ وراثت کو تسلیم کر سکتے۔

اسی عدم مساوات کی وجہ سے اسلام نے عورت اور مرد کے لباس اور پردے کے احکام میں فرق رکھا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صنف مخالف کے سامنے بے نقابی کے علاوہ اور دوسرے تمام احکامات میں بھی مرد اور عورت مساوی ہیں۔

عورت کے لئے قرآن کا واضح حکم یہ ہے کہ وہ تبرج جاہلیہ کے ساتھ یعنی غیر ضروری بناؤ سنگھار کرکے دوسرے مردوں کے سامنے نہ آئے۔ اس کے علاوہ عورتوں کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ جب دوسرے مردوں کے سامنے آئیں تو اپنی چادروں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ اور يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ یعنی اپنے سینوں کو خاص طور پر چھپا لیں۔ اسی طرح بجتے ہوئے زیورات پہن کر چلنا بھی عورتوں کے لئے ممنوع قرار پایا۔ یہ حکم بھی دیا گیا کہ عورت دوسرے مردوں سے بات کرنے میں اپنی آواز میں لوچ پیدا نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے دے تاکہ مرد کے دل میں غلط قسم کی "طمع" نہ پیدا ہو جائے۔ یہ سارے احکامات یکطرفہ ہیں یعنی صرف عورتوں کے لئے ہیں مردوں کے لئے نہیں۔ کیونکہ جو شدید کشش عموماً ہر عورت میں ہر مرد کے لئے پائی جاتی ہے وہ عموماً ہر مرد میں ہر عورت کے لئے نہیں پائی جاتی۔ عورت اپنے پسندیدہ شوہر کے علاوہ سارے مردوں سے جس طرح بے نیازی برت سکتی ہے مرد اپنی پسندیدہ بیوی کے علاوہ تمام عورتوں سے اس طرح بے نیازی کبھی نہیں برت سکتا۔

اسی فطری عدم مساوات کی وجہ سے عورت کی سیاسی امامت کو اسلام بنظر استحسان نہیں دیکھتا۔ اور حضورؐ نے واضح طور پر اس قوم کی مذمت کی ہے جو اپنی زمام کار عورت کے ہاتھ میں دیدے۔ اس سلسلہ میں میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ آج دنیا کے جو ممالک سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کئے جاتے ہیں وہاں عورت کی سیاسی امامت قطعی خارج از بحث سمجھی جاتی ہے۔ امریکہ میں کبھی کوئی شخص سنجیدگی سے عورت کی صدارت کا تذکرہ نہیں کرتا۔ اسی طرح روس اور چین میں کوئی نہیں سوچ سکتا کہ کوسی جن یا ماؤ سی تنگ کی جانشین کوئی عورت ہو سکتی ہے۔ علیٰ حالہ برطانیہ میں عورت شاہی حاکم یعنی ملکہ عالیہ تو ہو سکتی ہے مگر اس کا درحقیقت امام سیاست یعنی وزیر اعظم بننا قطعی ناقابل تصور ہے۔ اسی طرح فرانس میں کوئی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ جنرل ڈی گال کی جانشین کوئی عورت ہو جائے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صرف دنیا کے غیر ترقی یافتہ ممالک میں ہی عورت کی سربراہی کا سوال اٹھتا ہے یا پھر وہ ممالک۔ اس قسم کا اقدام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو اسرائیل کی طرح ایک شدید ہنگامی صورت حال سے دوچار ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ اپنے سارے بلند بانگ دعووں کے باوجود یورپ بھی عورت اور مرد کی عدم مساوات کو عملاً پوری طرح تسلیم کرتا ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ کیوں مذکورہ بالا ممالک میں عورت کی سیاسی امامت عملاً خارج از بحث ہو کر رہ گئی ہے۔

عورت اور مرد کے درمیان یورپ عملاً جس عدم مساوات کا قائل ہے اس کا یہ واحد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظہر نہیں ہے۔ آج یورپ میں جس طرح عورتیں جسم فروشی کرتی ہیں اور اس کاروبار کے لئے مستقل بازار قائم ہیں۔ مرد نہ اس انداز کی جسم فروشی کرتے ہیں نہ ان کے چکلے کہیں دکھائی دیتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان بازاروں میں خریدار ہمیشہ مرد اور جنس خرید ہمیشہ عورت ہوتی اس کے برعکس کبھی نہیں ہوتا۔

اسی طرح یورپ کے نائٹ کلبوں کی اصل زینت عورت ہے نہ کہ مرد۔ STRIP TEASE کرکے مردوں کا دل بہلانے والی ہمیشہ عورتیں ہوتی ہیں مرد کبھی STRIP TEASE کے ذریعہ پیسہ نہیں کماتے۔ بازاروں اور پارکوں میں جس طرح مرد عورتوں کو شہوت پرستانہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے یعنی OGLING کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عورتیں کبھی ایسا کرتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں۔ فلموں میں عورتوں کے عریاں جسموں کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ مردوں کے عریاں جسموں کی کبھی نہیں ہوتی۔ مردوں کی تفریح کے لئے جنسی طور پر جس طرح ان کی بیویوں کے علاوہ دوسری عورتیں ناگزیر ہوتی ہیں عورتوں کی تفریح کے لئے ان کے شوہروں کے علاوہ دوسرے مرد اتنے ہی ضروری نہیں ہوتے۔ امریکہ میں ایسی فلم تو بنتی ہے جس میں عورت کی صدارت کا مذاق اڑایا جائے ایسی فلم کبھی نہیں بنتی جس میں مرد کی صدارت کو تضحیک واستہزار کا نشانہ بنایا جائے۔

یورپ کو تسلیم ہے کہ عورت کی وجہ سے ہی سماج میں دلچسپی اور حسن پیدا ہوتا ہے جس طرح عورت صرف عورتوں کی سوسائٹی میں مطمئن اور مسرور ہو سکتی ہے مرد کبھی نہیں ہو سکتا۔ عورت کی تفریح صرف عورتوں میں ہو سکتی ہے مرد کی تفریح کے لئے صرف مرد کافی نہیں ہوتے۔ گویا عورت مرد کے لئے اور کچھ ہو یا نہ ہو وجہ سکوں ضرور ہے۔

غور کیجئے اسلام نے بھی عورت کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ خلق منہا زوجہا لتسکن الیہا آدم سے خدا نے اس کا جوڑا یعنی حوا کو تخلیق کیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ سکون حاصل کرے اور یورپ بھی عورت کو وجہ سکون بتاتا ہے مگر دونوں کے انداز نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک نے عورت کو مرد کے سکون کی خاطر نائٹ کلب کی STRIP TEASE DANCER بنا دیا اور دوسرے نے اسی مقصد کے لئے اُسے پہلی دوسری تیسری اور چوتھی بیوی کی حیثیت سے کسی گھر کی ملکہ بنانے پر اصرار کیا۔ مرد کے صنفی داعیات اور ذوقِ جمال کی تسکین کا ذریعہ وہ اسلام میں بھی ہے اور یورپ میں بھی مگر اسلام میں اس تسکین دہی کے سبب وہ ایک معزز و محترم ماں کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور یورپ میں عملاً ایک جنسِ سربازار کی۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ یورپ میں تمام عورتیں یکساں طور پر جنسِ سربازار بنا دی گئی ہیں یا بن گئی ہیں۔ میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہاں عورت کی یہ بازاری حیثیت ایک اہم ضرورت سمجھی جاتی ہے جب کہ اسلام میں وہ ایک ناقابلِ تصور داغِ رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے مرد و زن کی مکمل مساوات کا جذباتی اور غیر حقیقت پسندانہ نعرہ بلند کر کے صرف یہ کیا ہے کہ اسلام نے جن بعض حکیمانہ قوانین کے ذریعہ سماج میں صنفی توازن پیدا کیا تھا انھیں بدل کر عدم توازن پیدا کر دیا۔ اسلام نے عام حالات میں مرد کے لئے اپنی ناپسندیدہ بیوی سے آزادی حاصل کر لینا نسبتاً آسان اور عورت کے لئے اپنے ناپسندیدہ شوہر سے آزادی حاصل کرنا نسبتاً مشکل رکھا تھا۔ اور مرد کی آسانی کو ادائیگی مہر کے ذریعہ دشواری میں بدلنے کی کوشش کی تھی۔ یورپ نے مکمل مساوات کے احمقانہ تخیل کے زیرِ اثر مہر کا جھگڑا ختم کر کے طلاق کے معاملہ میں مرد اور عورت دونوں کو بالکل یکساں سہولتیں دیدیں۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ یورپ میں طلاقوں کی جو بھرمار ہے وہ مسلمان ملکوں میں پہلے بھی ناقابلِ تصور تھی اور آج بھی ناقابلِ تصور ہے۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کی ایک ایسی قسم بھی پائی جانے لگی ہے جو حسرت بھری نظروں سے یورپ کے غیر متوازن عائلی نظام کو دیکھنے اور مسلمانوں کو اسی کی تقلید کا مشورہ دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات ۔

اب تک میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کی روشنی میں اسلام اور یورپ میں بعد المشرقین نظر آتا ہے مگر آئندہ میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں اس کی روشنی میں یورپ کے بعض طور طریقے اسلام ہی کا عکس نظر آتے ہیں ۔

میں نے ابتدا میں جن چار بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے آخری اصول یہ ہے کہ اسلام نے صنفی تعلقات پر نکاح کی پابندی لگانے کے بعد تقریباً اور ساری پابندیاں اٹھالی ہیں ۔ اسلام چاہتا ہے کہ صنفی معاملات میں اس پابندی کے علاوہ ہر اعتبار سے مکمل آزادی اور بے تکلفی کی فضا پیدا ہو جائے اور لوگ نکاح کو ایسی ہی فطری اور شریفانہ بات سمجھنے لگیں جس طرح کھانے پینے اور ایماندارانہ خرید و فروخت کو ۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک نکاح اور اس کے متعلقات کو سوسائٹی میں بے جا شرم سے نجات نہ دلائی جائے زنا کی لعنت کو مستقل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا ۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے تشکیل کردہ معاشرے میں کسی مرد کو کسی عورت کے سامنے اور کسی عورت کو کسی مرد کے سامنے نکاح کی پیشکش میں خواہ مخواہ شرم دامن گیر نہ ہو ۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک عورت حضورؐ کے سامنے حاضر ہوئی اور خود کو حضورؐ کی زوجیت کے لئے پیش کیا آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ مجھے مزید نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ قریب بیٹھے ہوئے ایک صحابی نے فرمایا یا رسول اللہ مجھ سے اس عورت کا نکاح کرا دیجئے ۔ اور آپ نے کچھ گفتگو کے بعد ان کا نکاح کرا دیا ۔

غور کیجئے کیسی UNINHIBITED اور کھلی ہوئی سوسائٹی ہو گی جہاں نکاح کی پیشکش اس طرح بغیر کسی احساس جرم یا پشیمانی کے کھلم کھلا کی جا سکے ۔

یہی نہیں حضورؐ کے زمانے میں لوگ بے تکلف ایک دوسرے کی بہن یا بیٹی کے لئے بھی نکاح کا پیغام بھیج دیتے تھے ۔ اس پیغام کو قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے اس میں شرمندگی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کوئی بات کسی کے لئے نہ تھی۔ غیر اسلامی سماج میں ایک ۵۰ پچاس سالہ مرد کے لئے ایک چودہ سالہ لڑکی سے ناجائز تعلقات شاید اس سے کم ہی مضحکہ انگیز اور باعث پشیمانی سمجھے جاتے ہیں جتنا اسی پچاس سالہ مرد کی طرف سے ۱۴ سالہ لڑکی کے لئے پیغام نکاح۔ مگر اسلامی سماج میں صورتِ حال بالکل برعکس ہے۔ نکاح کی کوئی پیشکش قابل شرم نہیں خواہ وہ ۵۰ سالہ مرد کی طرف سے دس سالہ لڑکی کے لئے ہو یا ۴۰ سالہ عورت کی طرف سے ۲۵ سالہ مرد کیلئے۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر LOLITA کا ہیرو ہمبرٹ ہمبرٹ اپنی اسی نفسیات کے ساتھ جو ڈلاڈی میر نوبوکوف نے اپنے ناول میں پیش کی ہیں۔ مخلص مسلمان اور کسی اسلامی سماج کا رکن ہوتا تو کیا اس کے مسئلہ کا کوئی شریفانہ حل ممکن تھا۔ غالباً آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ایسے سماج میں وہ LOLITA کی ماں سے فریب کارانہ شادی کرنے کے بجائے نہایت صفائی سے خود ۹ سالہ LOLITA سے شادی کا پیغام دے سکتا تھا۔ اور جس عمر میں اس نے LOLITA کے ساتھ ناجائز صنفی تعلقات قائم کئے اسی عمر میں وہ اس کے ساتھ جائز صنفی تعلقات بھی قائم کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچئے کہ کیا یہ واقعی بہتر نہ ہوتا۔ کیا NYMPHETS کے پیچھے کتوں یا قاتلوں کی طرح دوڑنے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ اس کے ساتھ نکاح کا پیام دیا جائے۔

مجھے تو کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحیح اسلامی معاشرہ میں ہمبرٹ ہی کا نہیں دوسرے جنسی المیے بھی تقریباً محال ہو جائیں گے۔ اسلام کے عطا کردہ جنسی قوانین اتنے لبرل ہیں کہ ان کی موجودگی میں جنسی المیوں کی وجود پذیری کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی الا ماشاء اللہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی جنسی زندگی اسلام کے اس مزاج کی بہترین مثال ہے آپ نے اپنے جنسی معاملات کو اسی طرح ظاہر کر دیا جس طرح دوسرے معاملات کو کیونکہ حضور کی جنسی زندگی بھی اسی طرح اسوۂ حسنہ تھی جس طرح بقیہ زندگی۔ غسلِ جنابت وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مسائل کو جس بے تکلفی سے دینی کتابوں میں بیان کر دیا جاتا ہے اس پر بعض حضرات کو بڑی حیرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر وہ یہ غور نہیں فرماتے کہ جنس کے معاملات میں یہ بے تکلفی خود قرآن کے اندر موجود ہے۔

میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ جنسی تعلیم جس کی نصابی اہمیت پر آج یورپ اور امریکہ میں — اس قدر زور دیا جا رہا ہے وہ ہمارے دینی نصاب تعلیم میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ کسی کو بھی جنسیات سے بالکل الگ کر کے پڑھنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اسلامی جنسیات لازماً نکاح کی جنسیات ہیں نہ کہ آزاد جنسیات۔

نکاحی جنسیات کو اس طرح ایک نارمل موضوع بنائے بغیر اسلام کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ اسلام سوسائٹی کے روحانی اور اخلاقی ارتقار کے لئے جو نظام پیش کرتا ہے اس کی بنیاد ہی خاندانی نظام کی اصلاح پر ہے۔ اور خاندانی نظام کو وجود میں لانے والی بنیادی قوت انسان کا جنسی جذبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کی آیاتِ احکام کا بڑا حصہ خاندان کے متعلق احکام پر مشتمل ہے۔ قرآن میں اتنی تفصیلات نہ سیاسی زندگی کے بارے میں ہیں نہ معاشی زندگی کے بارے میں جتنی خاندان کی تشکیل، تعمیر اور بقا کے بارے میں موجود ہیں۔

ظاہر ہے جس سماج میں جو چیز جتنی زیادہ اہم ہوتی ہے اتنا ہی اس کے بارے میں بولا اور لکھا جاتا ہے۔ اسلام کو انسان کے جنسی جذبے سے سوسائٹی کی اہم ترین خدمت کرانی مقصود تھی اس لئے اس جذبے کی تہذیب کے بارے میں اسے اتنی ہی وضاحت اور صفائی سے کام لینا پڑا جتنا مارکسی نظام میں ذرائع پیداوار کے بارے میں وضاحت سے کام لیا جاتا ہے۔

خاندانی نظام میں عورت کی مرکزیت سے انکار شاید کوئی بڑے سے بڑا متجدد بھی نہ کر سکے۔ ہر عورت ایک خاندان کا مرکز بننے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مرد ممکن ہے خاندانی نظام سے فرار اختیار کرنے کے بعد بھی نارمل رہ جائے۔ عورت کے لئے یہ بات تقریباً محال ہے۔ اسلام کے دیئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے خاندانی نظام میں مرد کی حیثیت محض ایک قوت محرکہ کی ہے اور عورت کی حیثیت اس کی اصل اور بنیاد کی۔ ایک مرد کئی خاندانوں کی قوت محرکہ بن سکتا ہے مگر ایک عورت کئی خاندانوں کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ خاندانی نظام میں عورت کی اس شدید اہمیت کی وجہ سے ایک عورت کی پوری توجہ لازماً صرف ایک ہی خاندان پر مرکوز ہوتی ہے یعنی اس خاندان پر جس میں اس کی حیثیت ماں کی ہو۔ مرد اپنی توجہ کا صرف ایک حصہ خاندان پر صرف کر کے کام چلا سکتا ہے مگر عورت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پوری توجہ خاندان پر صرف ہو۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ شادی مرد کے لئے ایک جزوی مسئلہ ہے مگر عورت کے لئے ہمہ وقتی یعنی WHOLE TIME AFFAIR ہے۔

خاندانی نظام میں عورت کی اس مرکزی اہمیت ہی کی وجہ سے حضور اکرم صلعم نے ماں کی اطاعت کو باپ کی اطاعت پر مقدم قرار دیا۔ اور جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے بتایا۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اس شخص کو جنت کی بشارت دی جس نے تین بیٹیوں کو صحیح تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے ان کا ٹھیک جگہ نکاح کر دیا۔ عرب جاہلیت میں جس بیٹی کی پیدائش باعث ننگ و عار سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ کبھی کبھی اس غریب کو زندہ درگور بھی کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اسی بیٹی کی پیدائش کو باعثِ مسرت بنا دیا کیونکہ بیٹی حصول جنت کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

حضرات۔ غالباً ان اشارات کی روشنی میں عورت کی وہ حیثیت بالکل واضح ہو گئی ہو گی جو اسلام نے اپنے معاشرے میں اُسے عطا کی ہے۔ اگر مسلمانوں کے کسی معاشرے میں عورت کو فی الواقع یہ مقام حاصل نہیں ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ مندرجہ بالا چار اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصول نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ عورت کے مرتبہ کے صحیح تعین کے لئے ان چاروں اصولوں کی رہنمائی یکساں ناگزیر ہے۔ یورپ نے ان میں سے ایک اصول کو لے کر تین اصولوں کو کم و بیش ٹھکرا دیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ظاہر ہے۔ مسلمانوں نے بھی کہیں ایک اور کہیں دو اصولوں کو نظر انداز کیا اور کما حقہٗ توجہ تو شاید ایک اصول پر بھی نہ دی۔ نتیجہ ظاہر ہے وہاں بھی وہ نہ ہو سکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اسلام کو مطلوب تھا۔

آخر میں میں صرف اتنا اور عرض کروں گا آج یورپ میں عورتوں کو حصولِ علم کی جو سہولتیں حاصل ہیں وہ اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد کا دائرہ کار بنیادی طور پر الگ الگ ہونے کی وجہ سے ان کا نصابِ تعلیم بالکل یکساں نہیں ہو سکتا۔ مگر حصولِ علم کی تحریص اسلام نے مرد اور عورت کو بالکل یکساں انداز پر دلائی ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلِّ مسلمٍ و مسلمۃ یعنی حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک مسلمان مردوں اور عورتوں میں تعلیم یکساں اور عالمگیر پیمانے پر عام نہ ہو جائے گی عورت کی حیثیت اور مرتبہ کو سمجھنا مشکل ہی رہے گا۔ اور غیر مسلم معاشروں کی طرح مسلم معاشرے بھی کچھ نہ کچھ افراط و تفریط کا شکار رہیں گے۔ اور جس دن مسلم سماج میں تعلیم اتنی ہی عام ہو گئی جتنی یورپ میں ہے ـــــ بشرطیکہ اس تعلیم سے تعلیمِ دین خارج نہ ہو ـــــ تو خود بخود اس مسئلہ میں پیدا ہونے والی اکثر و بیشتر غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔

تفہیم المسلم

حدیث کی معروف کتاب مسلم شریف مع اردو ترجمہ • مکمل شرح • اور حواشی کے ساتھ

آسان دوماہی قسطوں میں

• طلباء کے لئے رہنما • علماء کے لئے عطیہ • عام مسلمانوں کے لئے فہمِ حدیث کا ذریعہ

افادات: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی — تدوین: مولانا ہلال عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند

پوری کتاب اندازاً تیس جزوں میں مکمل ہوگی۔ ہر دوسرے مہینے کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات کا ایک جزو شائع ہوتا ہے۔ ہر جزو کی عام قیمت ڈاک خرچ وغیرہ کے علاوہ ۳/۵۰ ممبران کے لئے صرف ۲/ ڈاک خرچ ۱/ فیس ممبری ۲/ پمفلٹ مفت طلب فرمائیے۔

مکمل پتہ: مکتبہ دار المعارف۔ دیوبند (یوپی)

© rasailojaraid.com